اولویت مرد کی حیثیت اور عورتوں کے انسانی حقوق

قرآن اور عورتوں کے ساتھ ناروائی کے انسداد کی قرارداد کے تناظر میں

ایک معنیٰ خیز جائزہ

فائزہ عظیم زادہ اردبیلی

''عورت، اور اس کے حقوق'' ایک ایسا موضوع گفتگو ہے جو اکثر و بیشتر دانشمندوں اور مفکّروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ انسانی سماج نے مسلسل عورتوں کی حق تلفی کی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا انسان ہونا بھی لائق بحث جانا گیا ہے، جبکہ ہر سماجی معاشرتی تہذیب و ثقافت میں عورت اور اس کا مقام ہی اصلاً اس معاشرہ میں عورتوں کی قدر و منزلت طے کرتا ہے۔ مذہبی و سیاسی مکاتب فکر عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں مختلف نظریات پیش کرتے ہیں۔ ان ہی مکاتب فکر میں سے ایک انسان ساز اور ہمہ گیر مکتب فکر، اسلام ہے جس کے قوانین کے سوتے سرچشمہ وحی سے ملتے ہیں اور وہ فکر انگیز دلائل کے ساتھ عورتوں کی ناقابل انکار خصوصیات کے پیش نظر، ان کی قدر و منزلت کا قائل ہے۔ گوکہ پیدائشی لحاظ سے مرد و زن میں کچھ فطری فرق ہوتے ہیں مگر ان سے متعلق حقوق و فرائض اپنی اصل صورت میں تقریباً دونوں کے لئے برابر ہیں۔ آیات الٰہی کا تخاطب اصل انسانیت و آدمیت سے ہے، جنسیت و صنف کو اصل مقام نہیں حاصل ہے۔ گوکہ بعض مقامات پر اصل مقصد کو واضح کرنے کے لئے اسے لائق توجہ سمجھا گیا ہے مگر ان میں جنسی فرق کی بناء پر ان کے حقوق کو ہرگز تقسیم نہیں کیا گیا ہے۔ اس سے متعلق قرآن کریم کی متعدد آیات ملتی ہیں :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً [1]

(اے لوگو! اللہ سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پیدا کیے)۔

۱۔ نساء، ۱

زیرِ نظر تحریر، قرآنی آیات کی معنیٰ آفرینی اور لفظ قوّام کے فنی تجزیہ پر مشتمل ہے، جس سے عالمی قرارداد اور بین الاقوامی مثالوں میں خواتین کے تئیں مخالفانہ برتاؤ اور ناروا سلوک مراد لیا گیا ہے۔

اہم لفظیں

عورت، عورت کے حقوق، بین الاقوامی اسناد، بنیادی حقوق، تحکّم، جانبداری

آیۂ قوامیت، عورت اور اس کے حقوق سے متعلق آیات میں سے اہم ترین آیت ہے جو اسلامی نقطۂ نظر کو اس طرح پیش کرتی ہے کہ اصول ارتقاء اور اکمال انسان کا راز عورت ہی میں مضمر ہے۔ آیۂ کریمہ کی صحیح تفہیم عورت اور اس کے حقوق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ [1]

اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اس آیت میں عورتوں پر مردوں کے تسلط محض کا تذکرہ ہے اور چونکہ یہ تسلط و اولویت گزشتہ ادوار میں اجتماعی اور اقتصادی طرز و تقاضوں کے پیشِ نظر ایک سماجی روش اور واضح حقیقت تھی، لہٰذا حیرتناک نہ تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت میں مرد کا عورت کے تئیں حاکم ہونا مراد ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ ہر مقام پر مردوں کی بالادستی مراد ہے۔

آیۂ مذکور کے لفظ قوّام کے سلسلہ میں چند سوالات رونما ہوتے ہیں:

قوامیت سے کیا مراد ہے؟

کیا قوامیت سے مراد، مرد کی برتری ہے؟

کیا مرد کی برتری کا قبول عام وجود عورت کے تئیں سلوک تفاوت کے مرادف ہے؟

کیا مرد سے مراد سارے مرد ہیں؟

قوّام کے معنیٰ و مطالب

قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مصدر قیام ہے۔ عربی زبان میں اس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں، یاد رہے کہ قیام کے مشتقات سے مختلف معنی مراد ہیں مثلاً ٹھہرنا، مضبوطی، کسی حکم کو مستقلاً عمل میں لاتے رہنا جیسے آیہ "يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ"، برابری و مساوات، رعایت و عدالت، جیسے قرآن کریم کی یہ آیت

۱۔ نساء، ۳۴

''' وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا''، خوش اخلاقی، کسی چیز کی بنیاد اور اصل نظام (قوام الامور) اور آیۂ "اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ" میں اصلاح و حفاظت مراد ہے،[۱] تفسیر کی بعض کتابوں میں لفظ کن ونشوں کو صیغۂ مبالغہ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کسی شخص کا کسی چیز کی توجہ و انہماک کے ساتھ حفاظت کرنا۔

قوّامیت کے مبینہ مطالب کے سلسلہ میں مختلف نظریات ہیں۔[۲] سردست ان میں سے چند نظریات پیش ہیں:

لفظ قوّام جو درمیان آیت استعمال ہوا ہے اس سے مراد معاشرہ کے سارے مرد ہیں یا صرف شوہر؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ متقدمین میں علامہ طباطبائی معاشرہ کے ہر فرد کے مراد ہونے کے قائل ہیں اور نان ونفقہ و دیگر احکام جو آیۂ مذکور میں بیان ہوئے ہیں، اسے جزوی اور فروعی گردانتے ہیں، البتہ اکثر مفسرین نے مخصوص افراد مراد لئے ہیں۔

مسئلہ انفاق کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خانوادہ کے مخصوص افراد کی طرف اشارہ ہے اور ان کے نیک و صالح ہونے کی خصوصیات کہ جو مسئلہ قوّامیت کے بعد تذکرہ میں آئے ہیں دوسرے نظریہ کی طرف ذہن منعطف کرتی ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ صرف زن وشوہر کی حیثیت سے مرد بعنوان مرد اور بیوی کی حیثیت سے عورت مراد ہے، نیز آیت کے پہلے جملہ کا بعد کے جملہ کے ساتھ تناسب بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ اصل وفروع دونوں برابر ہیں جیسا کہ بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی طرف سے ہونے والے انفاق و عنایت اس کی برتری کو شرعی حیثیت بخشتے ہیں درآنحالیکہ بیرون خانہ انفاق کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس دلیل کی بنیاد پر ہر چند مسئلہ انفاق سماجی سطح کے فریضہ کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے، مگر عورتوں پر مردوں کی برتری عام سمجھی جائے، قابل قبول نہیں ہے۔

قوّام، قائم کا وہ صیغۂ مبالغہ ہے جو قام یقوم سے لیا گیا ہے۔ قام بغیر حرف جر کے اور ب، ل، فی، من، الیٰ، اور علیٰ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔[۳] اس طرح سے قوّام اور قام علیٰ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جس کے معنی حفاظت، ہمیشگی، ثبات قدمی، کسی چیز پر کھڑے رہنے، یا کسی چیز پر تکیہ کرنے کے ہوتے ہیں، اس آیت میں پہلے معنیٰ مراد ہیں یعنی عورتوں کے ضروریات و مسائل پر ذمہ

۱۔ ابن منظور ذیل واژہ نقد لسان العرب ۲۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج ۵، ص ۱۶۷

۳۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۲، ص ص ۴۹۶۔ ۵۰۴، مادہ قوم

داری کے ساتھ توجہ رکھنے والا، اس رخ سے اس کے معنیٰ سرپرستی، پرورش، فرض شناسی، پاسداری، حفاظت، خیال رکھنے، نگہبانی، سہولیات مہیا کرانے والے، حمایت و استقامت، مددگاری، مقاومت، تعین، معاونت اور محافظت، کے ہوتے ہیں جیسا کہ بعض تحریروں میں ولایت و تسلط و حکومت، اقتدار، احاطہ، غلبہ اور تکیہ گاہ جیسی تعبیریں بھی مراد ہیں۔ شاید فضل اللہ ان سب تعبیرات پر دلیل ہو، مگر جیسا کہ آگے آئے گا کہ ہرگز سلطنت و اقتدار اس کے معنی کے طور پر قابل قبول نہیں ہوں گے کیونکہ فضل بھی اولوئیت و بیش قیمتی پر دلالت نہیں کرتا۔

قائم، قیّوم، قیّم، قیام، قوّام کے آس پاس کے الفاظ ہیں جن میں سے بعض قوّام کے ہم معنیٰ ہیں، باوجود یکہ قیّوم لغت میں نہیں ہے مگر بعض ادبیات و ادعیہ میں ملتا ہے، قیام قیّوم میں نام خدا بھی ہے البتہ قیّم قوّام ہم معنیٰ ہیں۔ بعض کے اس قول کی بناء پر کہ قوّام قیّم کا ہم خانوادہ لفظ نہیں ہے۔ نتیجتاً مرد عورتوں پر حاکم نہیں رہ جاتا ہے، یہ سب لغت سے کم آشنائی کی بنا پر ہے۔ قیّم المراہ'' زَوْجَهَا كَأَنَّهَا يَقُومُ بِأَمْرِهَا وَمَايَحْتَاجُ إِلَيْه'' اس سے قطع نظر کہ مذکورہ فقہی اصطلاح قیّم سے سرپرستی کی ایک قسم مراد ہے جو بیچاروں، بچوں، پریشان حال افراد کے تئیں نظر لطف و عنایت کی طرف اشارہ کرتی ہے یا تصور تحفظ و نظارت کو پیش کرتی ہے، مگر مرد کا عورت پر اس طرح قیّم ہونا مراد نہیں ہے جیسے شوہر کا قیّم ہونا جو کہ اس کے اصل مرتبہ کو واضح نہیں کرتا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہی اصطلاح میں قیّم لازمی طور پر اپنے مدمقابل کے ہماہنگی کے معنی میں نہیں ہے اور بچوں، مجبوروں پر بھی برتری کے معنی میں لفظ قیّم استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر قیّم سے صرف اور صرف سرپرستی کے فرائض کی انجام دہی ہی مراد لی جاسکتی ہے، البتہ معنیٰ تسلط و عدم تسلط کے لئے کوئی اور عامل درکار ہوگا جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ قوّام قام سے ماخوذ ہے جس کا مصدر قوم، قوام، قومہ، قامہ ہے۔[۱] اس بنا پر مصادر جو قومیت یا قوّامیت کے قبیل کے ہیں اور اکثر بیشتر استعمال ہوتے ہیں مستند نہیں ہیں۔ نتیجتاً کسی کے لئے قیام کرنے کے معنیٰ مراد لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ چار مصادر میں سے کسی ایک مصدر سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن اگر توصیفی کلمات یعنی قیّم و قوّام سے مصدر صناعی بنایا جائے تو ضروری ہے کہ کلمات قیامت، قیمیت، قیّومیت اور قوّامیت سے بہرمند ہوں، اس سے قطع نظر کہ قیّومیت اور قیامیت الٰہی اصطلاحیں ہیں اور مرد سے ان کا کوئی سروکار نہیں

۱۔ لسان العرب، المنجد، مفردات راغب و معجم الفاظ القرآن الکریم ذیل مادہ قوم

ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قوّام قیّم و قیام سے زیادہ مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اور اس کا قیام ایسا ہی ہے جیسے والی کا قیام رعیت پر، اس بناء پر کہ اقتدار غلبہ و قدرت سے متصل ہے جیسے کہ عورت کی زندگی ایک مرد پر منحصر ہوتی ہے اور اس کی ضرورت مند ہوتی ہے۔[۱]

اس طرح کی کسی بھی سند کی تعبیر نہیں ملتی بالاخص اس تعبیر کی کہ قیام کو لغت میں خدا کا نام اور اس کی صفت کا درجہ دیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ شوہر کا تسلط اپنے ہمسر پر جیسا کہ گزر چکا ہے، قوّامیت، محافظت و پختگی و مقاومت کے معنی میں ہے اور وہ بھی ان ضروریات کے سلسلہ میں جو عورت کو درپیش آتی ہیں۔ لیکن برتری کا تصور لغت میں نہیں ہے جیسا کہ قوّامیت کے تحقیقی مراد و مطلب کے باب میں اسے بیان نہیں کیا گیا ہے۔ مفسرین نے تعبیرات کے باب میں سکھانا، پرورش کرنا، تادیب و تدبیر کرنا اور عورت کی آمدورفت پر نظر رکھنے اور گھر میں اس کا خیال رکھنے، گھر سے باہر جانے سے منع کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سب کچھ جو عورت کی شخصیت کو تکامل اور اس کی روحی و جسمی ضروریات کو پورا کرنے میں کام آتا ہے اور مرد بالادستی کے نتیجہ میں اہتمام اسباب خانگی سے تعلق رکھتا ہے، سب قوّامیت کے دائرہ میں آتا ہے۔

قوّامیت مبینہ معنیٰ کی رو سے فرض اور ذمہ داری کا نام ہے، ہرگز فضیلت و شرف و امتیاز کا نام نہیں ہے یا اس سے مرد کا عورت پر تحکم مراد نہیں ہے بلکہ برتری کا معیار ہے۔

ولایت وسلطنت یا رعایت و کفالت [۲]

نہ قوّامیت داعلیٰ سے اور نہ ہی فضل سے برتری مراد ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اعلیٰ کے ساتھ قام اکثر ضروریات و فرائض کے معنی میں استعمال ہوتا ہے نہ کہ کسی چیز سے بلندی و برتری کے معنیٰ میں۔ چنانچہ احتمال قوی یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کو قَوَّامُونَ عَلى شُوئُونَ النِّسَاءِ وَحَاجَاتِهِنَّ سمجھا جائے۔

کہتے ہیں کہ مرد کی بالادستی کی شرعی حیثیت کے پیچھے فلسفہ یہی ہے کہ کوئی بھی گروہ یہاں تک کہ دو آدمی کسی بھی اقدام پر نتیجہ خیز نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان میں ایک مسئول نہ ہو جیسا کہ تاریخ بھی بتاتی ہے۔

۱۔ طہرانی محمد حسین، رسالہ بدیعہ در تفسیر آیہ الرجال قوامون علی النساء، ص ۷۶

۲۔ شرتونی، اقرب الموارد، مادہ ی قوم

پس اس کلیہ کے پیش نظر گھر میں بھی یہی قانون نافذ ہوتا ہے، چونکہ وہ اہم ترین مقام گروہ افراد ہے۔

علامہ جعفری اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ کسی بھی گھر کی سربراہی میں ان چاروں میں سے ایک شکل ضرور پائی جاتی ہے:

۱۔ گھر کے جملہ امور کی ذمہ داری مرد وزن دونوں پر ہوگی جو کہ ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اگر دو مرد بھی ایک جگہ ایک ساتھ کسی چیز کے لئے ذمہ دار قرار دے دیئے جائیں تو ٹکراؤ اور اختلاف کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

۲۔ تنہا عورت مسئول ہو جبکہ اس صورت میں ممنوع ارتباط کی صورت اور بگڑ جائے گی۔

۳۔ باپ کا حسب دلخواہ رعب و دبدبہ ہوگا جیسا عموماً معاشرہ میں دیکھنے میں آتا ہے، مگر یہ وہ صورت ہے جو اکثر گھر میں بدمزگی پیدا کردیتی ہے اور عورت کے وقار کو مزید کم کرتی ہے۔ جسکے نتیجہ میں بچوں کی زندگی پر غلط اثر پڑتا ہے۔

۴۔ مرد کی سرپرستی میں ایک اجتماعی نظام ہو اس طرح سے کہ اعتدال برقرار ہے، قوام کے معنیٰ بھی یہی ہیں۔ بعض اہل مغرب کا عورت و مرد کے سلسلہ میں برتے گئے اس نظام پر یہی اعتراض ہے کہ اسلام نے مرد کو مختار اور عورت کو مجبور بنادیا ہے اور اس کی وجہ چند اسلامی سماجوں کی روش اور آیۂ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَیٰ النِّسَاءِ کی غیر صحیح تفہیم ہے۔

ان کا خیال ہے کہ قوّام قیّمفقھی اصطلاح نہیں ہے اور قوّامیت مرد فطری اور طبعی ہے، تحکمی اور تعینی نہیں۔[۱]

مذکورہ اقتباسات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرد کی بالادستی گھر کی ذمہ داریوں کے تئیں ایک قسم کی مسئولیت ہے۔ چنانچہ فرائض کی ادائیگی اور لوازمات کی فراہمی اور اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری مرد کے سر جائے گی۔ انفاق و خوش اخلاقی کا وجوب جو کہ عدل و انصاف کی بنیاد پر ہونا چاہئے، آیۂ قوامین بالقسط اس موضوع جاریہ کو مکمل کردیتا ہے۔ سردست سرپرست خانوادہ کے عام فرائض بیان کئے جارہے ہیں:

۱۔ جعفری، محمد تقی، ترجمہ وتفسیر نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۲۶۷

مفہوم قوّامیت کے تفسیری نکات

آیۂ اَلرِّجَالُ قَوّامُونَ عَلَیٰ النِسَّاءِ اور معنیٰ قوّام کے سلسلہ میں علماء اہل سنت و اہل تشیع میں بہت اختلاف ہے۔ گہرے تجزیہ و تحقیق کے بعد ان میں سے بعض کے نظریات مختصراً پیش ہیں :

پہلا گروہ اہل خانہ پر مطلق العنان برتری کا قائل ہے۔ جس کے سبب وہ مرد کو حق تادیب بھی دیتا ہے۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اولویت مرد سے حق تدبیر رکھنا مراد ہے، اس طرح کہ مرد اپنی عورتوں کے مسائل میں بالخصوص اطاعت و احکامات الٰہیہ کی ادائیگی و پابندی کے بارے میں بازپرسی کا حق رکھتا ہے۔ صاحب تفسیر جامع البیان بھی تقریباً یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے معاملات پر ان کے مرد بھی جواب دہ اور ذمہ دار قرار پائیں گے۔[۱] بعض دیگر مفسرین مثلاً قرطبی نے قوّام سے مراد مرد کی عورت کے تئیں حمایت سے لی ہے جیسا کہ مختصراً پیش ہے :[۲] انھوں نے مرد کے نان و نفقہ کی ذمہ داری سنبھالنے کو قوّام و برتری سے تعبیر کیا ہے یعنی مرد عورت کی مدافعت اور محافظت کے علاوہ تدبیر، انفاق کا بھی ذمہ دار ہوگا۔[۳]

مفسرین کے دوسرے گروہ نے مرد کی اولویت سے مراد عورت پر مرد کا تحکمانہ حق قرار دیا ہے۔[۴] چند موارد ایسے بھی ہیں جہاں مردوں پر عورتوں کی برتری کا ذکر کیا گیا ہے مگر فی الحال اس کا بیان خلاف احتیاط ہے، جبکہ بیشتر ایسے مواقع ہیں جن سے معاشرہ میں عورتوں پر مردوں کے تسلط و بالادستی کے ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے معاشرے اس کیفیت سے خالی ہیں، جیسا کہ آج کل کے اجتماعی و اشتراکی طرز و نظام کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے۔

آیۂ کریمہ میں برتری علّت ہے یا حکمت ؟

اگر مرد کی برتری و انفاق اس کی قوّامیت کے سبب سے ہے تو پھر یہ ماننا ہوگا کہ ان دونوں اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں مرد کو عورت پر حق سرپرستی حاصل نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر تدبیر کی رو سے مستقبل کی پلاننگ اور جملہ امور، کہ جو عموماً مردوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، ان میں مرد عورت سے کمزور ہو یا گھر اور گھر سے باہر کی زندگی و معاملات کے لئے کسی کے یہاں عورت ہی ذمہ دار ہو تو

۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۴، ص ۱۱۰ ۲۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۵، ص ۱۶۸ ۳۔ ایضاً، ۲
۴۔ فیض کاشانی محسن، تفسیر صافی، ج ۱، ص ۳۵۴، غرائب القرآن و رغائب الفرقان در حاشیہ ی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۴

مرد کو سرپرستی اور فیصلہ لینے کا حق نہ رہے گا۔ علاوہ ازیں سارے حقوق اس سے چھین لیے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ عوامی فلسفۂ قوّامیت کی بنیاد پر ہیں تو برتری زن کی استثنائی صورت میں بھی مرد کا حق سرپرستی محفوظ رہے گا۔[۱]

کیا جملۂ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُونَ عَلَی النِّسَاءِ خبری ہے؟

جملۂ الرجال الخ جملۂ خبری ہے انشائی نہیں ہے اور اہل خانہ کو ان کے مرد کی سرپرستی کے بارے میں خبر دے رہا ہے، باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں ایسے خانوادے موجود تھے جن میں گھر کی سرپرستی و سربراہی سے لے کر علم وفہم و اقتصاد کے مسائل بھی عورت نے سنبھال رکھے تھے۔[۲]

مرد کی اولویت قانونی مسئلہ یا پیدائشی حق؟

روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے امام باقرؑ سے پوچھا کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا کہ تجھے اپنے معاملات میں اختیار ہے۔ امام نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے؟ جبکہ ارشاد خداوندی ہے الرجال قوّامون علی النساء۔ اسطرح ایسا کہنے سے مرد کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی۔

قانونی نقطۂ نظر سے بھی سرپرستی و سربراہی کوئی ایسی ذمہ داری نہیں ہے جو چھوڑ دینے یا دوسرے کے سر ڈال دینے کے قابل ہو، بنا براین شوہر د زوجہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ کسی خصوصی قرارداد یا عقد کے شرائط میں اسے ایک شرط قرار دے کر اس شرعی نزاکت کو نظرانداز کردیں یا مرد سے اس کا حق چھین لیں۔[۳]

مرد عورتوں سے برتر ہیں یا شوہر بیویوں سے؟

اس سلسلہ میں دو نظریات ہیں: بعض اس کے قائل ہیں کہ یہ آیات ساری عورتوں پر سارے مردوں کی برتری کی دلیل ہے اور اس میں کلی طور پر یہی مراد ہے۔ لیکن بعضوں کا یہ خیال ہے کہ باوجودیکہ آیت میں الرجال، النساء جیسے استغراقی الفاظ کا استعمال ہے مگر بعد کے قرائن یہ بتاتے ہیں کہ مرد سے مراد شوہر اور عورت سے مراد بیوی ہے۔[۴]

مذکورہ مباحث سے ایک بات تو بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اکثر مفسّرین کا خیال ہے کہ آیت کا سیاق و سباق مرد وزن کے روابط سے متعلق ہے اور مرد کی مسئولیت اور حق سرپرستی اور حمایت و

۱۔ حقوق زن د سرپرستی مرد درنگاہ مفسّران، قرآن، ص ۳ ۲۔ ایضاً، ص ۴
۳۔ ریاست مرد در رابطہ زوجیت، ص ص ۱۱۰۔۱۱۱ ۴۔ حقوق زن و سرپرستی مرد درنگاہ مفسران قرآنی، ص ۴

حفاظت نیز اہتمام معاش و اقتصاد کو روشن و آشکار کر رہی ہے اور کسی بھی طرح ان آیات سے مرد کی برتری و تسلط کا استخراج و استنباط نہیں کیا جاسکتا۔ قرآنی آیات سے اس قسم کی دریافت ہر اس مقام پر، جہاں اللہ نے انسانوں کی برتری و فضیلت کا ذکر کیا ہے، نقصان دہ ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی قرآنی آیت میں انسان کی جنسیت کو معیار فضیلت قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس کی کوشش اور اس کے کام کو ملاک و معیار قرار دیا گیا ہے۔ (لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ) حتیٰ کہ قرآن میں صریحاً ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس سے عورتوں پر مردوں کی برتری ثابت کی جاسکے[۱] اور اسی طرح اکثر فقہاء اور فلسفیوں نے بھی قوامیت مرد سے مراد عورتوں کی ضروریات کی ذمہ داری اور اقتصادی امور میں برتری ہی لی ہے، جبکہ عورتوں کے حقوق کے تئیں ان کے ساتھ برتے جانے والے ناروا سلوک کے پیش نظر دو مین کنونشن (عہد) کا اصل پیغام بھی یہی ہے کہ عورتوں کے ساتھ اقتصادی، سیاسی و اجتماعی معاملات میں کیے جانے والے جانبدارانہ برتاؤ اور بھید بھاؤ کو مٹایا جائے۔ مگر اس عہدنامہ کے تمام تر مطالبات عورت کی جنسیت کی بنیاد پر ہیں۔[۲] انھوں نے قرآن کریم کی ایک آیت کا جائزہ اور لفظ قوام سے سوء استفادہ کیا۔ چنانچہ بعض تو قرآن کریم کے نظریات پر چیں بجبیں ہوگئے۔ ہم نے اس سے متعلق اور قوامیت اساسی مفہوم کے بارے میں گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ آیات سے استفادہ کرنے والوں نے سوء تعبیر سے کام لیا ہے جو علوم و معارف دینی میں تحریف و تنقیص چاہتے ہیں اور ان کے ارادے یہ ہیں کہ ایسی تبلیغات سے جوان نسل کو اسلامی نظریات کی اثر پذیری سے روکیں اور ان سے کہلائیں کہ عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک قرآنی نظر یہ ہے جبکہ قرآن مجید میں مردوں کی ذاتی و شخصی برتری و فضیلت کے وہم کو باطل قرار دینے کے لئے لفظ قوام کے بعد صنف لطیف کی ان صفات کا ذکر کیا گیا ہے:

وہ عورتیں جو مہذب ہیں، جو مستقل خدا سے اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں اور اپنے شوہروں کی غیر موجودگی میں الٰہی قانون کا پاس و لحاظ رکھتی ہیں[۳] (فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ) : پس ثابت ہوا کہ گھریلو نظام کی درستگی میں عورت کا زیادہ اہم کردار ہے۔ چنانچہ اللہ عورتوں کو ان کے بہترین صفات کے ساتھ پہچنوا کے انھیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلا رہا ہے۔

۱۔ جعفری، محمد تقی، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۲۷۳ ۲۔ کنونشن، بند ۱ ۳۔ ایضاً، ۱

قرآنی آیات و سورہ عورتوں کے بنیادی حقوق پر بہترین دلیل ہیں۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے حقوق کی تاریخ دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ دین اسلام نے عورتوں کو بے شمار حقوق و امتیازات دلائے ہیں۔[1]

عورتوں کے بنیادی سیر وقائع کے سلسلہ میں انسانی خلقت سے متعلق آیت اور بعد میں آنے والی تمام آیات میں اس طرح عورتوں کے حقوق بیان ہوئے ہیں کہ عورت کا حق مالکیت،[2] ان کا مردوں کا شریک ہونا، ان کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی تردید، اور محبت سے پیش آنے کی تاکید، سب کچھ واضح ہوجاتا ہے۔[3]

قرآن کی رو سے عورتوں کے بنیادی حقوق اور ان سے برتی جانے والی ناروائی پر عالمی قرارداد

مسلم دانشمندوں اور مفکروں کے نقطۂ ہای نظر کے مطابق فطری حقوق کا خیال ذہن انسانی میں اس وقت جاگ اٹھتا ہے جب اس کا فطری شعور اس کے مقاصد کی حصولیابی کے لئے اسے اکساتا ہے۔ فطری صلاحیتیں فطری شعور کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔ اہل خانہ کے حقوق کی بنیاد کو بھی جملہ حقوق طبعی و فطری پر ہی سمجھنا چاہئے اور پھر مردوزن کے فطری تقاضوں کی بنیاد پر ہی ان کے حقوق تقسیم کرنا چاہئیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مردوزن، دونوں ایک سماج کے دو انسان ہیں اس لئے انھیں اپنے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں برابری کی رعایت برتنی چاہئے، گوکہ ان کے جنسی فرق اور طریقۂ زندگی کا تفاوت ان پر عائد ہونے والے فرائض و احکام میں تفریق کو ناگزیر بنادیتا ہے۔ آج اہل مغرب اور ان کے حامی عورتوں سے متعلق بین الاقوامی عہدوپیمان کے ذریعہ مرد وعورت کے درمیان قوانین و ضروریات، حقوق وفرائض کے امتیاز کو یکسر ختم کردینے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان کے فطری اور طبعی فرق کو مٹادینا چاہتے ہیں، اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی قراردادوں (Agreements) کی بنیاد بھی مردوزن کے فطری حقوق پر ہی ہے۔

دو مین کنونشن کے مشمولات پر تنقید کے باب میں اگر ہم اس میں ذکر شدہ تصور یکسانیت مردوزن

۱۔ نساء، ۱ ۲۔ ایضاً، ۷ ۳۔ ایضاً، ۱۹

سے قطع نظر، کشادہ دلی سے غور کریں تو ہم پائیں گے کہ اس میں بنیادی فکر وہی ہے جو حقوق الناس کے منشور میں ہے۔ نیز اس میں مذہبی قدروں اور اسلامی ممالک کے اصولوں کی اندیکھی صاف ظاہر ہوتی ہے۔[۱] تمام مرد وزن کے حقوق میں مساوات برتنے سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے حقوق طبعی کو اپنے طور پر حاصل کرنے کا حق ہوگا، درآنحالیکہ ان میں بعض مشترک ہیں اور بعض ایک خاص جنس سے مخصوص ہیں۔[۲] مغربی ممالک میں اس صدی کو اسکے آخیر میں 'عورتوں کے حقوق کی یکسانیت و برابری کی جیت کی صدی' کے طور پر منایا گیا۔ جس میں کم و بیش عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ دکھائی دیں مگر درحقیقت عورت اپنے فطری تقاضوں اور روحی وجسمی ضروریات کے پیش نظر ہرگز مردوں کے حقوق سے مشابہت اختیار نہ کرسکیں۔ پس اگر ہم چاہیں کہ عورت کی منزلت اور اس کے حقوق کو مردوں کے برابر لائیں تو صرف ایک ہی مناسب راستہ ہے کہ حقوق میں مشابہت نہ برتی جائے، عورت کو اس کے مناسب حقوق اور مرد کو اس کے مناسب حقوق دیئے جائیں۔

یہ وہی چیز ہے جسے اسلام نے فطری اور طبعی حقوق کے نام سے یاد کیا ہے۔ مردوزن کے حقوق کی فطری عدم یکسانیت طبعی اور عادلانہ تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے اور گھر نیز خاندان میں بہتر توازن بھی پیدا کرتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض مغربی مفکرین بھی اس کے معترف ہیں کہ حقوق الناس کے باب میں قرآنی آیات بھی عالمی عدلیہ کے اصولوں کے مطابق ہیں۔[۳]

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ اسلام عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں فطرت کو بنیاد قرار دیتا ہے نیز شریعت وطبیعت کو بھی مردوزن کے تقسیم حقوق کے سلسلہ میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس کے سارے احکام وفرائض فطرت وطبیعت کی بنا پر انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ وہ تمام اعمال کہ جنہیں انسان انجام دیتے ہیں، اس کے فطری تقاضوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ فطرت جن اجتماعی حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، وہ سب فطری اور طبعی ہونے کے سبب مساوی اور مشابہ ہوتے ہیں۔ مگر مساوات کے تقاضے کہ جو اجتماعی احکام کے سلسلہ میں نافذ ہوتے ہیں، ایسے نہیں ہیں کہ ہر فرد پر ہر جگہ لاگو ہو

۱۔ مزید معلومات کے لئے عالمی حقوق بشر کا اعلانیہ سے رجوع کریں۔ گلن جانسون جس ص ۸۷۔۱۲۷

۲۔ خواتین سے کیئے جانے والے سلوک سے متعلق ناروائی کے انسداد کے عہد نامہ پر فقہی نظریات جس ۲۲۷

۳۔ اسپنسر کہتا ہے کہ عدالت احساسات کی رو سے عوام الناس کے طبعی حقوق کا نام ہے اور اس عدالت کا خارجی وجود ان حقوق و امتیازات کی رعایت برتنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔

سکیں۔ چونکہ ہر آدمی اپنے طریقۂ زندگی اور طرزِ عمل کی بنیاد پر الگ الگ حقوق کا متقاضی ہوتا ہے[۱] اسلام میں مردوزن فکر، ارادے اوراختیار جیسے معاملات میں خود اپنے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ دونوں ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے اپنے اپنے طور پر کوشش کرسکتے ہیں۔ممکن ہے عورت مرد کی طرح ارادہ کرے، عمل کرے اور اپنے کام اور اس کے نتیجہ کی خود ذمہ دار ہو، یہاں تک کہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کی بھی خود ذمہ دار ہو،چنانچہ اسلام نے نعمت آزادی و استقلال سے سرفراز قرآن مجید کے ہر تخاطب میں معیار انجام عمل، انسانوں کی جنسیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور دونوں کا مکمل طور پر خصوصی تذکرہ بھی موجود ہے۔

اَنِّی لَااُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنکُمْ مِنْ ذَکَرَ اَوْ اُنْثیٰ بَعْضُکُمْ مِنْ بَعْضٍ[۲]

مَنْ یَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثیٰ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِکَ یَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَ لَایُظْلَمُونَ نَقِیراً[۳]

مَنْ کَفَرَ فَعَلَیْهُ کُفْرُهُ وَ عَمِلَ صَالِحاً فَلِاَنْفُسِھِمْ یَمْھَدُونَ[۴]

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثیٰ وَھُمْ مُومِنٌ فَلَنُحْیِیَنَهُ حَیٰوةً طَیِّبَه،[۵]

لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِمَّا اکْتَسَبُو وَلِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِمَّا اکْتَسَبْنَ،[۶]

لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِمَّا الْوَالِدُونَ وَالْاَقْرَبُونَ،[۷]

مذکورہ بالا آیات میں خداوند کریم نے زن و مرد کو بطور انسان خطاب کرتے ہوئے، ان کے حقوق بیان فرمائے ہیں اور پھر ان کے فطری تقاضوں اور فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے۔ مردوزن کے حقوق وفرائض کے باب میں اسلامی قوانین نے ان کے طبعی حقوق کی بنیاد کو تسلیم کیا ہے، مگر وہ حقوق جو حقوق الناس اور خواتین سے متعلق انسداد سلوک ناروا بہ زنان کے عہد نامہ کی بنیاد پر ہیں، اس رخ سے ان میں بیان شدہ مساوات حقوق مردوزن قابل تردید ہیں کیونکہ نہ تو وہ قوانین اسلام سے مطابقت رکھتے ہیں اور نہ ہی خود اسی قرارداد کے بنیادی فارمولوں سے ہماہنگ ہیں جیسا کہ آرٹیکل ب دفعہ ۱۶ میں ملتا ہے کہ تشابہ کی بنیاد پر انتخاب ہمسر کے سلسلہ میں سب آزاد

۱۔ قرارداد کے مقدمہ میں حقوق کے سلسلہ میں رعایت نہ برتنے کی وکالت کی گئی اور کہا گیا کہ جملہ مذہبی معاشروں میں عورت مردوں کے زیر تسلط ہیں۔

۲۔ آل عمران، ۱۹۵ ۳۔ نساء، ۱۲۴ ۴۔ روم، ۴۴ ۵۔ نحل، ۹۷ ۶۔ نساء، ۳۲ ۷۔ نساء، ۷

ہیں۔ گوکہ اسلام انتخاب ہمسر کے سلسلہ میں تشابہ کو قبول کرتا ہے مگر وہ اس معنیٰ میں نہیں بلکہ کچھ مخصوص شرائط وضوابط کے ساتھ اور پھر انھیں کے جملہ کے مطابق کہ جو مرد وعورت ایک مذہب سے نہ ہوں وہ آپس میں شادی نہیں کرسکتے لہٰذا یہاں کچھ ایسا ہونا چاہئے تھا کہ ایک دوسرے کے مذہب کے تئیں احترام برقرار رہے۔

دوسری مثال : آرٹیکل ح، دفعہ ۱۴، ۱۲ آرٹیکل ب، دفعہ ۱۴، آرٹیکل ھ، دفعہ ۱۶ میں حقوق زن کے باب میں لکھا ہے کہ داخلی زندگی اور گھر کے سارے امور کی ذمہ داری عورت کے سر ہوگی۔ اس طرح سارے اجتماعی حقوق کے معاملات میں عورت کا فیصلہ کن ہونا قرار پاتا ہے، علاوہ ازایں اس قرارداد کے کسی باب میں عورت کی پاکدامنی، حیا وحجاب جیسے طبعی حقوق کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے، جبکہ قرآن مجید اور دینی کتابوں میں بار بار اس طرف متنبہ کرایا گیا ہے مثلاً جناب مریمؑ کا تذکرہ، جناب شعیبؑ کی بیٹیوں کا تذکرہ، جناب سیدہ(س) کا تذکرہ۔قرارداد میں عورت کے مرکزی کردار ہونے کے باعث، عورت کو گھر کے جملہ امور میں انفرادی طور پر فیصلہ کن قرار دیا گیا ہے، درآنحالیکہ اسلامی نظریات کے مطابق ان حقوق کے معاملہ میں جملہ ذمہ داران اہلِ خانہ کے حقوق کی رعایت برتنے کو کہا گیا ہے۔

عورتوں سے متعلق سلوک ناروائی کے انسداد کے بارے میں قرارداد میں پیش پیش رہنے والے جوس کلنز (Jus Cogens) کا یہ ماننا ہے کہ اوّل تو یہ واجب العمل نہیں ہے، دوسرے بین الاقوامی نظام حقوق کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ [1]

خلاصہ

۱۔ قرآن وقوانین دین کی رو سے انسان کی پیدائش اور اس کے حقوق اس کی حیثیت و مقام کے مطابق تقسیم ہوئے ہیں۔ فطری حقوق اور طبعی مطالبوں میں جنسیت کو دخل نہیں ہے۔

۲۔ قوامیت کے تجزیہ وتحلیل کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ آیت شادی شدہ مردوزن سے متعلق ہے۔ مرد کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہے کہ مرد کو چاہئے کہ اہلِ خانہ کی جملہ ضروریات کی فراہمی اور اقتصاد کی استواری کا خیال رکھے۔ نیز کسی بھی طرح آیت سے مردوں کی

۱۔ قرارداد ۱۹۶۹ء میں پہلی بار اس قسم کے قواعد کا تذکرہ ہوا اور تقریباً ساری دنیا نے اسے قابل قبول جانا، اس طرح سے کہ کسی کو اس پر حرف گیری کا مجاز حاصل نہ تھا۔ اس سلسلہ میں بین الاقوامی روابط سے متعلق کتابوں مثلاً کلیسا، کلود، اکبر، سے استفادہ کیا گیا ہے۔

برتری محض کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ لہٰذا کسی بھی آیت قرآنی سے اس قسم کا نتیجہ نکالنا دیانت داری کے منافی ہوگا۔

۳۔ اہل خانہ میں حقوق مرد وزن کی برابری کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے فطری حقوق کی حصولیابی کے لئے کوشش کرسکتا ہے، باوجود یکہ اس میں کچھ حقوق حسب جنسیت مخصوص ہیں۔

۴۔ وہ فطری حقوق جو قرآن مجید نے بیان کئے ہیں، شرعی اور طبعی تقاضوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے حقوق میں مرد وزن برابر ہیں کیونکہ دونوں کے حقوق ان کی حیثیت و موقعیت کے متقاضی ہوتے ہیں۔

۵۔ عورتوں سے کئے جانے والے سلوک ناروا سے متعلق قرارداد ایک ایسے قانون کی حیثیت رکھتی ہے جو ضوابط دینی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

منابع

۱۔ الانصاری قرطبی، ابی عبداللہ محمد، الجامع الاحکام القرآن، بیروت، ۱۹۶۵م، دارالحیاء التراث العربی۔

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، داراحیأ التراث العبری، ۱۴۰۸ ق۔

۳۔ جانسون گلن، عالمی حقوق بشر کا اعلانیہ اور اسکی تاریخ ج ۲، ترجمہ محمد جعفر پاینده، تہران، ۱۳۷۷، نشر نی،

۴۔ جریر طبری، محمد، جامع البیان فی تفسیر القرآن چ دوم ج ۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۲ھ ق،

۵۔ جعفری محمد تقی، ترجمہ وتفسیر نہج البلاغہ، دفتر نشر فرہنگ و اندیشہ اسلامی، تہران، ۱۳۶۲ھ

۶۔ عورتوں سے کئے جانے والے مخلفانہ برتاؤ کے سلسلہ میں عالمی قرارداد پر فقہی نظریات، مرکز تحقیقات فقہی قوہ قضائیہ تہران ۱۳۷۷

۷۔ سید قطب، فی ظاالقرآن، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۹ ھ،

۸۔ طوسی، التبیان، دارالفکر قم، ۱۳۷۰،

۹۔ طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین ج ۲، نشر مرتضوی تہران، ۱۳۶۵

۱۰۔ طہرانی محمد حسین، رسالہ بدیعہ در تفسیر آیۃ 'الرجال قوامون علی النساء' نشر علامہ طباطبائی' مشہد ۱۳۷۶،

۱۱۔عبدہ، محمد، تفسیر المنار، دار الکتب الاسلامیہ، قم ۱۳۷۳،
۱۲۔فیض کاشانی، محسن، تفسیر صافی چ ۶، ج ۱، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲،
۱۳۔قمی نیشاپوری، نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین، غرائب القرآن و رغائب الفرقان، در حاشیہ مجمع البیان، نشر فراہانی، ۱۳۴۹۔
۱۴۔کلیار کلود البر، نہادھای روابط بین المللی، ترجمہ ہدایت اللہ فلسفی، نشر نو، تہران ۱۳۶۸۔
۱۵۔مطہری مرتضیٰ، یادداشت ھای استاد مطہری، صدر اقم ۱۳۸۰۔
۱۶۔مہر یزی مہدی، سرپرستی و ریاست خانوادہ، مجلہ پیام زن، ابان ۱۳۸۰۔
۱۷۔مقدادی محمد مہدی، ریاست مرد در رابطہ زوجیت، فصلنامہ مفید ش ۳۳، بہمن، قم، ۱۳۸۱،